مولانا شبلی نعمانیؒ کی سیاسی بصیرت

ڈاکٹر سعادت سعید

ABSTRACT:

Allama Shibli Naumani was a great literary and religious scholar. He like Sir Sayyed Ahmad Khan, Altaf Hussain Hali and Allama Muhammad Iqbal guided Indian Muslims during tyrannical period of British Empire in India. In spite of his rigid and traditional religious concepts he was of the opinion that if Muslims want to compete with global powers of their age they have to embrace the concepts of Western materialistic sciences. In this context readers could easily appreciate his enlightened approach towards the progress of culture and civilization at large.

کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ غالب نے جب اسیری میں آتش زیر پا ہونے کی بات کی تھی تو کیا اس کا منشا آزادی کا حصول نہیں تھا۔ملی یا قومی آزادی نہ سہی انفرادی آزادی کا وجودی بوجھ اس کے کندھوں پر آن پڑا تھا۔اس آزادی کا ۱۸۰۳ء میں جنرل لیک کی فتح دلی سے کوئی تھا یا نہیں تھا لیکن غالب کا زمانہ کٹھ پتلی مسلم حکمرانوں کا زمانہ تھا۔اقتدار عملاً ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں تھا۔ایسے میں اگر اس نے کعبہ میرے پیچھے کا نعرہ بلند کیا تھا اور کلیسا کو آگے دیکھا تھا تو یہ اس کی فکری بصیرت کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔اس دور سے آج تک کلیسا کے آگے ہونے کا سلسلہ عروج درعروج گلوبلائزیشن کے معرکہ آرا دور کا نقیب بن چکا ہے۔علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مقالے ''غیر قوموں کی مشابہت'' میں اس بات کو بالتصریح واضح کیا ہے کہ مسلم تاریخ میں غیر قوموں سے علم و ہنر کے حصول سے لے کر ثقافتی لین دین تک بہت کچھ لینے کی اسناد موجود ہیں۔اس لیے انگریزی دور میں جو مسلمان غیر قومی ثقافت سے گریز پائی کے اطوار اپنائے ہوئے ہیں انھیں اسلامی تاریخ میں دیگر قوموں کے رسوم ورواج اور اطوار کو اختیار کرنے کی لاتعداد مثالیں ملیں گی۔سو اگر سرسید احمد کی چھری کانٹا ثقافت اور علامہ اقبال کی بوٹائی تہذیب اور قائد اعظم محمد علی جناح کے انگریزی طور طریقگی کے خلاف کوئی بات کرتا ہے تو اسے جان لینا چاہیے کہ علامہ شبلی نعمانی نے اس نوع کی ظاہر داری کو اختیار کرنے کے حق میں بے شمار دلائل دیئے ہیں۔

شبلی اپنے مضمون ''غیر قوموں کی مشابہت'' کا آغاز یوں کرتے ہیں:

''ہماری قوم میں نئے علوم وفنون اور نئے تمدن اور شایستگی کے نہ پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں کا اب تک خیال ہے کہ ہم کو غیر قوموں کا تشبہ شرعاً ناجائز ہے یہی وجہ ہے کہ اب تک قوم کے مقدس حضرات یورپین علوم وفنون، یورپین زبان، یورپین تمدن، یورپین طرز معاشرت سے جہاں تک ہوسکتا ہے اجتناب کرتے ہیں اور بہ ضرورت کوئی بات اختیار کرنی پڑتی ہے تو ان کا دل ان کو ملامت کرتا رہتا ہے۔''۱

ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد سے پہلے مقامی ہندی مسلمانوں نے اپنے پرکھوں کے علوم وفنون، زبان، تمدن، اور طرز معاشرت کو اپنانے میں کبھی عار محسوس نہ کی۔ چاہے اس عمل میں کئی مقدس حضرات نے ملامتیں ہی کیوں نہ کی ہوں۔ مسلم دنیا ملامت در ملامت کئی ملامتی سلسلوں سے گزر کر جدید یورپین علوم وفنون، یورپین زبان، یورپین تمدن، یورپین طرز معاشرت کو اختیار کرنے کے سلاسل پر بالاختیار یا بالجبر عمل پیرا ہے۔ یوں ابن الوقتوں سے لے کر صاحب بہادروں تک ہماری تہذیب نے ثقافتی آمیزوں کی نشو ونما اور فروغ کے در کھلے رکھے ہوئے ہیں۔ کئی دانش وروں نے اس دور میں از سر نو شبلی نعمانی والی منطق کو قبول کرتے ہوئے اس منطق کا اعادہ کیا ہے کہ عالمی منڈی کی چکا چوند اور نو بہ نو اشیا سازی پر رشک تو بہت ہے لیکن وہ اس اہلیت سے محروم ہیں کہ خود اس منڈی میں داخل ہوسکیں۔ ان کا پیچھے رہ جانا اس لیے کھلتا ہے کہ وہ مقابلے کی نئی دوڑ کو دور ہی سے دیکھ کر اپنے ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب الکلام (حصہ دوم) میں واضح طور پر یہ بحث کی ہے کہ'' اسلام تمدن اور ترقی کا مانع نہیں بل کہ موید ہے۲'' ان کے خیال میں ترقی دشمنی کی باتیں اسلام میں موجود نہیں ہیں اس لیے تمدن کی ترقی کے سب اصول اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

یہ کاروان ہستی ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئیں ہیں جس کی روا روی میں

سرسید احمد خان اور شبلی نعمانی کے مذہبی اور ثقافتی اختلافات جتنے بھی سنگین کیوں نہ ہوں۔ دونوں مسلمانوں کی تہذیبی اور مادی ترقی کے لیے یورپین علوم وفنون، یورپین زبان، یورپین تمدن، یورپین طرز معاشرت وغیرہ کو آئیڈیل قرار دے چکے ہیں۔ علاوہ ازیں دونوں مفکروں نے انگریزوں کی وفاداری میں ہندی مسلمانوں کی ترقی کا راز مضمر پایا۔

علامہ شبلی نعمانی برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کے ایک بڑے محسن تھے۔ انھوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی غلامی کے دور عروج کو اپنے شعور کی آنکھ سے دیکھا۔ یہ دور اسلامیان ہند کی مایوسی اور کس مپرسی کا دور تھا۔ اس زوالی عہد میں انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے جن شخصیات نے اپنا کردار ادا کیا ان کو رفقائے سر سید کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ سرسید احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی اور عبدالحلیم شرر جیسے عظیم لوگوں نے مغلوب مسلم معاشرے کو اپنی مصالحانہ دانش سے ایک ایسی ڈگر پر لا کھڑا کیا کہ جس سے آگے آزادی اور حمیت کے سلاسل اس کے منتظر تھے۔ سرسید کی انگریز دوستی کو حوالہ بنا کر جدید دور کی منطق کے لبادوں میں لپٹے دانش وروں کے لیے انہیں ٹوڈی قرار دینا شاید کچھ ایسا مشکل نہ ہو اور اس حوالے

سے اکبرالہ آبادی کے فیضان نظر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تاہم اس عہد نا پرساں میں اگر مسلمان اپنی ترقی کے لیے چوکس ہوئے تھے تو اس عمل کو سرسید احمد خان جیسے عظیم قائدین کے ویژن کا نتیجہ قرار دینا اچنبھے کی بات نہیں۔

اس دور کی مصلحتوں نے ہمارے ملی قائدین کو مصالحت کی منطق کو قبول کرنے پر آمادہ کیا۔مصالحت اور بغاوت کے مابین موجود جدلیاتی نزاع کا تقاضا یہ تھا کہ ہندوستانی معاشرے پر صدیوں سے غالب مسلمان انگریزوں کے ہاتھوں اپنی مغلوبیت کی حدود کی شناخت کرتے ہوئے اپنا استقبالی لائحہ عمل مرتب کرتے۔اس حوالے سے جہاں ہمارے مذکورہ اکابرین نے مسلم ماضی کی ان مول دانش کو از سرنو دریافت کرنے کا جتن کیا وہاں نئی نسل کو یہ بھی باور کرایا کہ تقلید اور نقل کی روش کسی معاشرے کے انجماد کی دلالت تو ہوسکتی ہے اس کی اندرونی حرکتوں کے لیے تغیر، ارتقا، جدت اور اجتہاد کے اصولوں سے آشنائی امر لازم ہے۔چلو تم ادھر کو ہوا جدھر کی ہو! اس قسم کا نعرہ مغلوب معاشروں کے ٹھہرے ہوئے فکر و فلسفہ کی جھیلوں میں ارتعاش پیدا کر دیا کرتا ہے۔۱۸۵۷ء میں بے بنیاد ہونے والے ہندی مسلمانوں نے کم از کم نصف صدی تک اپنے پاؤں مضبوطی سے رکھنے کے لیے جب مناسب زمین کا بندو بست کر لیا تو غلامی کی زنجیروں کو توڑنے والی علامہ اقبال کی موثر شاعری نے انھیں آزادی کامل کے خواب دیکھنے پر مائل کیا۔یہ خواب سرسید احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی اور عبدالحلیم شرر جیسے ادیبوں اور شاعروں کے لیے کارمحال کے زمرے میں آتے تھے تاہم انھوں مسلم ماضی کی عظمتوں کی یاد دہانی سے ہندی مسلمانوں کو ایک مثبت پیغام سے آشنا کیا۔

علامہ شبلی نعمانی ایک جید محقق، مورخ، سوانح نگار، شاعر، ادبی مورخ، فقیہ، متکلم، نقاد اور مذہبی سکالر تھے۔ انھوں نے اپنی تحقیقی بصیرتوں کو ا۔ الفاروق ۲۔ سوانح مولانا روم ۳۔علم الکلام) شبلی (۴۔المامون ۵۔موازنہ دبیر و انیس(۶۔شعرالعجم ۷۔ مقالات شبلی ۸۔ سیرت النعمان ۹۔ سیرت النبی) کتاب(، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱-الغزالی جیسی کتابوں میں انتہائی معتدل خوش سلیقگی سے استعمال کیا۔ان کی سیرت و سوانح پر لکھی گئی کتابوں سے اندازہ کیا جا سکتا کہ سیرت و سوانح لکھتے ہوئے سیرت نویس اور سوانح نگار کو کسی نوع کی جانب داری سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ان کے سامنے تاریخی اور شخصی حوالوں سے جو بھی تحقیقی سچائیاں سامنے آتی ہیں ان سے کسی بھی صورت بے نیازی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

شیخ اکرام نے اپنی کتاب شبلی نامہ کے تعارفی مضمون ''جدید سیرت نگاری'' میں رقم طراز ہیں:

> ''سیرت نگاری کی نسبت علامہ شبلی مرحوم کا نقطہ نظر عام مشرقی تذکرہ نویسوں کے زاویہ نگاہ سے بالکل مختلف تھا۔ان کی رائے تھی کہ سیرت نگار کو صاحب سیرت کی زندگی کا ہر پہلو دکھانا چاہیئے، سیاہ بھی سفید بھی روشن بھی اور تاریک بھی وہ ان لوگوں کے مخالف تھے جو کسی کے'' معائب دکھانے کو تنگ خیالی اور بدطینتی'' سمجھتے ہیں اور کہتے تھے کہ'' اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں'' ۳

شبلی نعمانی کے اسی آزاد خیال نقطہ نظر نے شاید استاد محترم ڈاکٹر وحید قریشی کو یہ حوصلہ بخشا کہ وہ شبلی کی حیات

معاشقہ جیسی کتاب لکھ پائے جس کے بارے میں بہت سے مشرقی ذہنوں کو چند ریزرویشنز ہیں۔ یہ ریزرویشنز ان کے دماغوں میں موجود مشرقی ثقافتی اقدار کی پاس داری کے تصورات سے نسبت رکھتی ہیں۔ اگر علامہ شبلی زندہ ہوتے اور وہ اپنے بارے میں عطیہ بیگم کے رد اعمال کو پڑھ لیتے تو شاید وہ سیرت و سوانح نگاری کے بارے میں اپنے یوروپی روشن خیالی کے تصورات پر نظر ثانی کا عندیہ ضرور دے دیتے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد علامہ شبلی کی عظمت کو جاننے کے لیے شیخ اکرام کی موج کوثر میں موجود اس اقتباس کی جانب رجوع کرتے ہیں:

''شبلی ایسی بوقلمونی کہاں سے آئے گی؟ جو رندوں میں رند تھے، زہاد میں زاہد، نثّاروں میں نثّار، شعرا میں شاعر، معلموں میں معلم، مورخوں میں مورخ، سیاستدانوں میں سیّاس، اردو میں عشقیہ خطوط کے بانی، تعلیم میں نئی روش کے آموز گار، اور علمی تصنیف و تالیف کے میدان میں ہماری زبان کے سب سے بانکے شہسوار! قلیل مدت حیات اور کمزور صحت کے باوجود شبلی نے جو کچھ کر دکھایا کیا وہ ایک معجزہ سے کم ہے؟

دبیرم، شاعرم، رندم، ندیمم شیوہ ہا دارم
گرفتم رحم بر فریاد و افغانم نمی آید '' ۴

علامہ محمد اقبال بھی کئی پہلوؤں سے شبلی نعمانی کے تبحر علمی کے مداح تھے۔ انھوں نے خود اسلام میں اجتہاد کی گنجایش کو ثابت کیا ہے۔ اپنے اسی حوالے کی روشنی میں وہ سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے..... اگر مولانا شبلیؒ زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا۔ موجودہ حالات میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا.....'' ۵

مضمون کے آغاز میں علامہ شبلی نعمانی کی مصلحت کوشی اور مصالحت جوئی کا جو تذکرہ کیا گیا تھا اس کی بنیاد ان کے دو مضمونوں میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ مقالات شبلی جلد اول کے ان مضامین کے عناوین ہیں ا۔ مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیونکر رہنا چاہیئے ۲۔ غیر قوموں کی مشابہت۔ پہلے مضمون میں شبلی نعمانی نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کے مال و حکومت پر جب کوئی غیر مذہب کی قوم قبضہ کر لیتی ہے (یعنی اگر انگریز ہندوستان پر قابض ہو چکے ہیں۔ یا اب ہندوستان پر ہندوؤں کی حکومت ہے) تو ان کا فرض ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے۔ یوں سر سید کا نقطہ نظر حدیث، فقہ اور تاریخ کے آئینے میں سلجھایا گیا ہے۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''اس مسئلہ کے متعلق اصل میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی غیر مذہب حکومت مسلمانوں کے ملک اور زمین پر قابض ہو جائے تو ا۔ یہ قبضہ حقیقی ہوتا ہے یا غاصبانہ ۲۔ مسلمانوں کو حکومت کی اطاعت فرض ہوتی ہے یا نہیں؟ فقہ میں اس کا ایک مستقل باب ہے جس کی سرخی یہ ہے باب استیلا الکفار، اس کے ذیل میں یہ حکم ہیں (ترجمہ) اگر غیر مذہب والے ہمارے مال پر غالب آ جائیں اور اس کو اپنے گھر میں جمع کریں تو وہ اس کے مالک ہوں

گے ویجب علینا اتباعھم اور ہم پر ان کی اطاعت فرض ہوگی۔''۶

اس مسئلے پر انھوں نے قرآن اور احادیث کے حوالوں سے بھی دلیلیں دی ہیں۔تاریخی حوالوں سے انہوں نے ہجرت مدینہ کو بنیاد بنا کر مکے میں رہ جانے والے مال پر کفار کے قبضے کو روا جانا۔ اسی لیے بقول شبلی مہاجرین کو خدا کی جانب سے للفقراء المھاجرین کہا گیا ہے۔نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی تو مسلمان نجاشی کے خلاف ہونے والی جنگ میں اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''اسلام کی تاریخ میں اکثر غیر قومیں اسلامی ملکوں پر قابض ہوگئیں۔اس وقت ہزاروں فقہا اور علما موجود تھے۔کیوں کر ممکن تھا کہ وہ ان کے متعلق فقہی احکام مرتب نہ کرتے۔''۷

علامہ شبلی نعمانی نے اس تناظر میں تاتاریوں کے ایران اور عراق پر قبضے کے پس منظر میں دار الحرب اور دار الاسلام کی بحث کی ہے اور کہا ہے کہ جب تک اسلامی احکام یعنی نماز روزہ وغیرہ جاری ہیں اس وقت تک دارالاسلام باقی رہے گا اور مسلمانوں کی وہی حالت ہوگی جو اسلامی ملک میں ہوتی ہے۔''۸

علامہ شبلی کی انگریز دوستی کے حوالے سے زیر نظر مقالے میں یہ رائے بھی موجود ہے:

'' غور کرو فقہا نے تاتاریوں کے زمانے میں یہ فتویٰ دیا جو بت پرست تھے۔اور جن کو مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہ تھی۔آج جب کہ عیسائی حکومت ہے، جو اہل کتاب ہیں۔مسلمانوں کے فرائض مذہبی میں کوئی تعرض نہیں کیا جاتا۔مسلمان خود عیسائی مذہب کا زور و شور سے سر بازار رد کرتے ہیں تو ایسی حالت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے کہ حکومت کی وہی پوزیشن ہو گی جو اکبر و جہانگیر کے زمانہ میں تھی اور فقہا کا یہ حکم واجب العمل ہوگا کہ 'ویجب علینا اتباعھم'۔''۹

یہاں شبلی نے تھیوری کا لفظ زبانی باتوں کے حوالے سے استعمال کرتے ہوئے کہا ہے:

''یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ محض تھیوری یعنی زبانی باتیں تھیں۔''۱۰

علامہ شبلی نے کئی تاریخی واقعات سے اپنے انگریز دوست نظریئے کو مستند بنایا ہے۔سسلی میں مسلمانوں کی راجرز سے وفاداری، بغداد میں ہلاکو خاں سے مسلمانوں (رشید الدین، علاء الدین جوینی، خواجہ شمس الدین، محقق طوسی، وغیرہ) کی قربت کا تذکرہ بھی شبلی کے استدلال کو مستحکم کرتا ہے۔اس مضمون کا اختتام وہ ان الفاظ سے کرتے ہیں:

''واقعات مذکورہ بالا سے تم کو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں سے لے کر آج تک مسلمانوں کا ہمیشہ یہ شعار رہا ہے کہ وہ جس حکومت کے زیر اثر رہتے ہیں اس کے وفادار اور اطاعت گزار رہتے ہیں۔ یہ صرف ان کا طرز عمل نہ تھا بل کہ ان کے مذہب کی تعلیم تھی جو قرآن مجید، حدیث، فقہ میں کنائتہً اور صراحتہً مذکور ہے۔'' ۱۱

علامہ شبلی کے عالمانہ مرتبے کو علامہ اقبال کی جانب سے تسلیم کیا جانا کوئی معمولی بات نہیں۔اسے علامہ شبلی کے تحقیقی و تاریخی شعور کا ثمرہ سمجھنا چاہیئے۔حالی اور شبلی کی وفات پر علامہ اقبال نے ایک نظم لکھی تھی جس کے چند

اشعار پیش خدمت ہیں:

شبلی و حالی

مسلم سے ایک روز یہ اقبال نے کہا
دیوانِ جزو و کل میں ہے تیرا وجود فرد
تیرے سرود رفتہ کے نغمے علومِ نو
تہذیب تیرے قافلہ ہائے کہن کی گرد
پتھر ہے اس کے واسطے موجِ نسیم بھی
نازک بہت ہے آئنہ آبروئے مرد
مردانِ کار ڈھونڈ کے اسبابِ حادثات
کرتے ہیں چارۂ ستمِ چرخ لاجورد
پوچھ ان سے جو چمن کے ہیں دیرینہ رازدار
کیونکر ہوئی خزاں ترے گلشن سے ہم نبرد
مسلم مرے کلام سے بے تاب ہو گیا
غماز ہو گئی غمِ پنہاں کی آہ سرد
کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیتِ خزاں
اوراق ہو گئے شجرِ زندگی کے زرد
خاموش ہو گئے چمنستاں کے رازدار
سرمایہ گداز تھی جن کی نوائے درد
شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہلِ گلستاں
حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد
اکنوں کرا دماغ کہ پرسدز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد؟

علامہ شبلی نعمانی اور الطاف حسین حالی دردمند دل رکھنے والے انسان تھے۔ وہ چمنستان اسلام کے راز دار تھے۔ شبلی نعمانی کے ان اشعار سے ہمیں ان کے بارے میں علامہ اقبال کی شعری رائے کہ گہرائی کا اندازہ ہوسکتا ہے

جنگ بلقان کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغِ تشنہ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک

یہ جوش انگیزیِ طوفان بیداد و بلا نا کی
یہ لطف اندوزیِ ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک
یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانا ہے
ہماری گردنوں پر ہو گا اس کا امتحاں کب تک
کہاں تک لو گے ہم سے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کب تک

علامہ شبلی نعمانی کے یہ اشعار بھی ان کے دردمند دل کے غماز ہیں:

پہنائی جارہی ہیں عالمانِ دیں کو زنجیریں
یہ زیور ’ ’سید سجاد ‘ ‘ عالی کی وراثت ہے
یہی دس بیس اگر ہیں کشتگان خنجر اندازی
تو مجھ کو سستی بازوئے قاتل کی شکایت ہے
شہیدان وفا کے قطرہ خوں کام آئیں گے
عروسِ مسجدِ زیبا کو افشاں کی ضرورت ہے
عجب کیا ہے جو نوخیزوں نے سب سے پہلے جانیں دیں
کہ یہ بچے ہیں ان کو جلد سوجانے کی عادت ہے

ان اشعار میں صلیبی جنگوں اور جہاد کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے اس میں حکومت کی اطاعت اور غیر ملکی تہذیبی اطوار اپنانے کے حوالے سے علامہ شبلی کے خیالات کی نفی تو نہیں ہوئی! ہنوز یہ سوال تشنہ جواب ہے! بہر حال علامہ اقبال نے ان دونوں نظریات کی جا بجا اپنے شعری و نثری افکار کے حوالوں سے تردید کی ہے:

از غلامی دل بمیرد در بدن
از غلامی روح گردد بارِ تن

تو غیر مذہبی حکومت کی غلامی کم از کم اقبال کے لیے نا قابل قبول تھی:

چھوڑ یورپ کے لیے رقصِ بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم اللہی!

تو کیا اقبال یوروپی ثقافت اور تہذیب کو اختیار کرنے کا درس دے رہے ہیں؟ ظاہر ہے ایسا نہیں ہے تو پھر شبلی نعمانی کے خیالات کو مسلمانوں کو انگریزی دور میں بیل آوٹ کروانے کا شاخسانہ قرار نہیں دیا جائے گا! گلوبلائزیشن کے فیوض و برکات اگر غلام سازی اور صارفیت کی راہیں ہموار کر رہی ہیں تو ہمیں ایک لمحے کے لیے اپنے بزرگوں کی

عظمتوں کو ان کے مخصوص حالات کے پس منظر میں سراہنا ہوگا۔صلیبی جنگوں کے تسلسل کو (بلقان) ترکی سے باہر آ کر بھی دیکھنا ہوگا۔اس حوالے سے ہندوستان، افغانستان، عراق اور دیگر کئی علاقوں پر مغربی قبضوں کو تاریخی تناظر میں نئی معنویتوں سے ہم کنار کیا جا سکتا ہے۔اپنی تمام تر پذیرائی کے باوجود علامہ شبلی نعمانی شکوہ روزگار کرنے کا حق رکھتے تھے۔وہ عبدالباری ندوی اسسٹنٹ پروفیسر دکن کالج پونہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:''بھائی میں تو اب چراغ سحر ہو رہا ہوں تم لوگ اب اپنی ذمہ داری کو محسوس کرو۔ اپنے عیوب کو سب سے بہتر جانتا ہوں۔ المراء عرف بنفسہ لیکن علمی صحیح مذاق کا پھیلانا اپنا کام سمجھتا رہا اگر اس میں ذرا بھی کامیابی ہوئی تو مسلم گزٹ کے مصنوعی معایب تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔سخت افسوس یہ ہے کہ ہر حیثیت سے زمانہ میں خر بازاری بڑھ گئی ہے، نیک و بد کی تمیز مطلق نہیں''(۱۲)

حوالے:

۱۔ مولانا شبلی نعمانی، **مقالات شبلی**، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۳۷ء، ص ۱۶۵

۲۔ مولانا شبلی نعمانی، **الکلام** (حصہ دوم) عمدۃ المطابع، لکھنو، ۱۹۰۶ء، ص ۲۱۸ تا ۲۲۴

۳۔ شیخ محمد اکرام، **شبلی نامہ**، تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی، ص ۵

۴۔ ایضاً

۵۔ خط بنام سید سلیمان ندوی، ۱۹۲۶ء، ص ۱۴۲

۶۔ مولانا شبلی نعمانی، **مقالات شبلی** (جلد اول)، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۵۴ء، ص ۱۶۵

۷۔ ایضاً، ص ۱۶۷

۸۔ ایضاً، ص ۱۶۸

۹۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۱۲۔ مولانا شبلی نعمانی، **مکاتیب شبلی**، حصہ دوم، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۱۷ء ص ۱۸۴۔۱۸۵